شہادت بیان کریں جب بھی ان کے قول پر افطار کا حکم دینا اور افطار کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔" (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص۲۶۷ ج۳)

علاوہ ازیں یہ کہ توپ کی آواز اور میناروں کی روشنی کا مبلغ اثر بھی محدود ہی ہوتا ہے زیادہ فاصلہ پر نہ توپ کی آواز پہنچتی ہے نہ روشنی (اگرچہ روشنی توپ کی آواز کے مقابلہ میں زیادہ دور تک پہنچتی ہے)

خلاصہ کلام یہ کہ ریڈیو کے اعلان (یا مذکورہ علامتوں سے) ایک شہر یا اس کے مضافات کے لوگوں کے لئے ہی رویت کا حکم ماننا ضروری ہوگا۔ اس دائرہ اثر کے باہر رہنے والوں پر لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے ریڈیو کا اعلان سننے والوں کی شروع میں دو قسمیں بیان کی گئی ہیں ایک یہی جس کی اوپر تفصیل مذکور ہوئی۔

دوسری قسم :۔ ان لوگوں کی ہے جو ریڈیو اسٹیشن یا بالفاظ دیگر قاضی (یا اس کے قائمقام ہلال کمیٹی یا ثقہ عالم) کے دائرہ اثر سے باہر رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں یہاں کے ریڈیو کے اعلان سے ثبوت حکم رویت کس طرح ہوگا ؟۔ اس کا جواب ذرا دشوار نیز تفصیل طلب ہے۔ اس کے لئے پہلے حسب ذیل امور پر نظر رکھنا ضروری ہوگا۔

ایک جگہ رویت ہو جائے تو اسکے حکم کو ہمہ گیر بنانے کے طریقے

بلد کا رویت کے علاوہ دوسری جگہ (اختلاف مطالع کی بحث سے قطع نظر) رویت ثابت کرنے کے چار طریقے ہیں۔ شہادۃ علی الشہادہ۔ کتاب القاضی الی القاضی استفاضہ۔ امر سلطان (یعنی والی یا سلطان اپنی ولایت عامہ کی بنیاد پر تمام اہل ملک کے لئے اعلان کرا سکتا ہے)

ریڈیو کی خبر کیوں شہادت نہیں ہے اس کی دلیل

ان میں سے پہلے دو طریقے تو یہاں محل بحث ہو ہی نہیں سکتے۔ کیوں کہ یہاں بات ریڈیو کے ذریعہ حکم رویت کی ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ریڈیو پر شہادت دیئے جانے کے کوئی معنیٰ ہی نہیں کیوں کہ شہادت کی حقیقت

میں حضور اور موجودگی کا مفہوم داخل ہے جیسا کہ ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے :-

وھی مشتقۃ من الشھود بمعنی الحضور لان الشاھد یحضر مجلس القضاء للاداء فسمی الحاضر شاھدا (حوالہ ذیل)	شہادت، شہود سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں حاضر ہونا کیونکہ شاہد مجلس قضاء میں شہادت دینے حاضر ہوتا ہے اس لئے اسے شاہد (یعنی حاضر) کہتے ہیں)

اور فتح القدیر میں ہے :-

وفی عرف اھل الشرع اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشھادۃ فی مجلس القضاء (مجموعہ کفایہ و فتح القدیر ج ۶)	شریعت میں شہادت اس سچی خبر کو کہا جاتا ہے جو قاضی کے اجلاس میں بلفظ "شہادت" بیان کی جائے تاکہ حق ثابت ہو جائے۔

شہادت میں شاہد کا موجود ہونا ضروری ہے اس لئے ریڈیو کی خبر شہادت نہیں ہو سکتی	لہذا ریڈیو کی اطلاع شہادت تو کسی طرح نہیں بن سکتی اسی طرح کتاب القاضی الی القاضی کا بھی یہ محل نہیں

جس کا اظہر من الشمس ہونا ہر شخص جانتا ہے۔ بس اب صرف دو مؤخر الذکر راستے (استفاضہ۔ امر سلطان) ہی رہ جاتے ہیں جو یہاں روبکار آسکتے ہیں۔

(باقی)

رہبر حج

مولف جناب الحاج قاری محمد بشیر الدین (اینڈٹ ایم۔ اے جیبی سائز)
حج پر مختصر رسالہ لیکن مسائل حج و متعلقات حج کے وسیع و عریض دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مصداق ہے۔ آخر میں مفید اور معلومات افزا جدید ۱۲ نقشے۔ قیمت سوا روپیہ

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ایران کی ناقابل فراموش تحریک

"تحریک مشروطہ"

جناب ڈاکٹر آفتاب اختر صاحب لکچرر شعبہ فارسی و اردو
گاندھی فیض عام ڈگری کالج شاہجہانپور

اس تحریک کی ابتدا کا سراغ بعض مورخین نے "کاوہ آہنگر" کے زمانہ سے لگایا ہے، جب ضحاک نے ایرانیوں پر اتنے ظلم کئے تھے کہ پورا ایران چیخ اٹھا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ضحاک کے دونوں شانوں پر دو پھوڑے نکل آئے تھے بعض نے ان پھوڑوں کو دو سانپوں سے تعبیر کیا ہے جو اس کے مظالم کی پاداش کا نتیجہ تھے اور ان کی دوا کے طور پر دو انسانی مغز تجویز کئے گئے تھے۔ باری باری نوخیز نوجوان گھروں سے پکڑے ہوئے آتے اور بے گناہ قتل کر دیئے جاتے۔ خانوادہ کیانی کی طرف سے ضحاک خائف رہتا تھا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیانیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارتا رہتا تھا۔ اس پکڑ دھکڑ میں کیانی خاندان کی ایک شہزادی اپنی جان بچا کر بھاگی اور پہاڑوں میں چھپتی چھپاتی ٹھوکریں کھاتی ہوئی کسی گاؤں میں جا نکلی۔ نیرنگی قدرت دیکھئے کہ اس عالم غربت میں فریدوں پیدا ہوا۔ مصائب کی سختی نے ماں کا دودھ...... خشک کر دیا تھا لیکن اس ننھی سی جان کی پرورش کے لئے کہیں سے ایک گائے چلی آئی جسے برمایوں یا برمایہ کہتے لگے فردوسی نے کہا ہے

بیکے گاؤ برمایہ خواہد بدن[1]   جہاندار دایہ..... خواہد بدن

---

[1] کارنامہ پہلوی سید حسن بلگرامی صلا

فریدوں ابھی کوہستانی آغوش میں ہی پرورش پا رہا تھا کہ ٹوہ لگانے والوں نے غاصب سلطنت کو یہ خبر پہنچا دی۔ سنتے ہی وہ خود ادھر کو روانہ ہوگیا۔ آمد آمد کی خبر اڑی۔ بے چاری مصیبت کی ماری ماں اپنے پارۂ جگر کو چھاتی سے لگائے لرزتی کانپتی وہاں سے نکلی اور کسی جگہ جاکر روپوش ہوگئی ــــ بے زبان برمایہ وہیں چھوٹ گئی۔ بیداد گر نے جب وہاں کسی شکار کا نشان نہ پایا تو جھلا کر اسی برمایہ کو نشانۂ ستم بنا ڈالا۔

ایک طرف تو یہ ہوا اور دوسری طرف "کاوہ آہنگر" کے دو بیٹوں کو بھی مغز سر حاصل کرنے کے لئے قتل کر دیا گیا۔ غم و رنج کی آنچ سے بوڑھے لوہار کے دل و جگر ایسے جلے کہ اس نے بیتاب ہوکر اپنی دھونکنی کا چمڑا ایک بانس پر باندھ کر بلند کر دیا اور وہ محبّ وطن (حبِّ قومی) کا نشان قرار پایا۔

ضحاک کے جور و ستم سہتے سہتے صبر کے پیالے بھر چکے تھے بس چھلکنے کی دیر تھی۔ اس نشان کے بلند ہوتے ہی وفا کے ماروں اور حبِّ قومی کے منچلوں کا ہر طرف سے ایک دریا امنڈ پڑا۔ فریدوں کوچہ کوہستانی فضا پال پوس کر جوان کر چکی تھی۔ مادرِ وطن کے جانبازوں نے تلاش کر کے اپنا بادشاہ بنایا اور پھر دیہیم و سریر کیانی کو غاصب سے چھیننے کے لئے سب کے سب ضحاک پر ٹوٹ پڑے "کاوہ ایسا لوہا لاٹ نکلا کہ اس کا لوہا سب نے مانا اور مجسمۂ جور و بیداد ضحاک اسیرِ دامِ بلا ہوا۔ ظفریاب فریدوں نے جھنڈے کے چمڑے کو لعل و جواہر سے مرصع کر کے اس کا نام درفشِ کاویانی رکھا۔ ساتھ ہی اپنا فولادی گرز کلۂ گاؤ کی صورت میں ڈھال کر اپنی پیاری برمایہ کی ایک ایسی یادگار قائم کر دی کہ آج تک گرزِ گاؤ سر، گاؤ سار، گاؤ پیکر، اور گاؤ چہرہ وغیرہ الفاظ ایرانی ادب کا جزوِ لاینفک ہیں"۔ [۱]

اس ابتدائی تحریک آزادی کے بعد انفرادی کوششوں کے علاوہ اجتماعی شکل میں ظاہر

---

[۱] کارنامۂ پہلوی۔ سید محسن بلگرامی صفحہ ۱۵

ہونے والی کسی تحریک کا سراغ نہیں ملتا جس کا سلسلہ نقشِ اولین سے جوڑا جا سکے۔ البتہ ہم جب دورِ قاچاریہ پر نظر ڈالتے ہیں تو قاچاری استبدادیت کے خلاف اجتماعی شکل میں نمودار ...... ہونے والی ایک ایسی تحریک کا ضرور پتہ چلتا ہے جو اپنے داخلی محرکات کے لحاظ سے یکساں خطوط پر پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے اسے کسی حد تک اس نقشِ اولین سے مربوط کیا جا سکتا ہے

نقشِ اولین سے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد بھی بے انتہا ظلم و ستم کے خلاف پڑی تھی اور جب ہم "تحریک مشروطیت" کے محرکات پر غور کرتے ہیں تو - - - تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے داخلی محرکات کی بنا پر نقشِ اولین سے مماثلت ضرور رکھتی ہے۔ ویسے ان دونوں کے کردار و مقصد وغیرہ میں نمایاں فرق موجود ہے جس کی توثیق و تائید ڈاکٹر مہدی ملک زادہ کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔

"شک نیست کہ نہضت کاوۂ آہنگر یک قیام ملّی برضد ظلم و بیدادگری بودہ و اوّل کسے بودہ است کہ در میان کارگرانِ جہان، عَلمِ عدالت خواہی را در ہزارہا سال پیش برافراشتہ و کلیہ کارگرانِ جہان باید کاوۂ آہنگر را پیشوائے خود دانستہ و مجسمۂ او را مظہر آزادی کارگری قرار دہند..... لکن قیام کاوہ از طرف یک نفر کارگر گمنام از طبقہ سیّم بودہ و منظوری جز عدالت خواہی نداشتہ..... و نیز از حیث قدامت نہضت کاوہ آہنگر دارائے اہمیت بسیار و در خور ستایش است اگرچہ نہضت کاوہ آہنگر بخلاف نہضتِ مشروطیت فقط محدود بہ از میان بُردن یک پادشاہ جبار و برقرار کردن یک سلطان عادل بودہ و اصولی را در بر نداشتہ کہ در روئے آں اساسی گذاردہ شود کہ پایہ عدالت استوار گردد ولی آں نہضت تا ہر اندازہ ہم کہ حقیقت داشتہ باشد دارائی اہمیت مہم تاریخی و یکی از مفاخر مہم باستانی ایران بشمار میرود"[۵]

مشروطیت کے محرکات جہاں تک مشروطیت کا تعلق ہے اس کے پس پشت دو اہم محرک

---

۵ مشروطیت ایران۔ دکتر مہدی ملک زادہ (جلد اوّل) ص ۲۷

کام کر رہے تھے۔ اوّل داخلی دوم خارجی۔ درحقیقت انہیں محرکات نے مشروطیت کو جنم دیا، فروغ دیا اور عروج تک پہنچنے میں مدد دی۔

جہاں تک داخلی محرک کا سوال ہے اس میں قاچاری استبدادیت کو سب سے بلند درجہ حاصل ہے اور اسی مقام پر یہ تحریک "تحریک کادہ" سے مشابہ ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر اسے اس سے مربوط کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک خارجی محرکات کا سوال ہے اس میں انقلاب فرانس، انقلاب روس اور ایرانیوں کی یورپ سے مواصلات کو خاص مقام حاصل ہے۔ اگر یہ خارجی محرکات نمایاں نہ ہوئے ہوتے تو ممکن تھا اس تحریک کو اتنی جلد کامیابی نہ ہوتی۔

داخلی محرکات اس امر پر بیشتر مورخ متفق ہیں کہ "تحریک مشروطیت" کے آغاز سے قبل ایران سخت قسم کے انتشاری حالات سے دوچار تھا۔ مرکزی حکومت برائے نام رہ گئی تھی۔ ایرانی عوام قاچاری حکومت کے ظلم وستم کے علاوہ روسی و برطانوی کشمکش میں پس کر روز بروز کمزور و نحیف ہو رہے تھے اس لئے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور ہمتیں شکستہ ہو گئی تھیں۔ وہ اس حالت سے اتنے مایوس ہو گئے تھے کہ انھوں نے تقریباً یہ بھی بھلا دیا تھا کہ ان کی بہادری اور جوانمردی، شجاعت و دلیری، جانبازی وحب الوطنی اپنے ملک کو بارہا تباہی سے بچا چکی ہے۔ سکندر کے حملے کا سیلاب اور اس کے بعد ایران پر بڑے بڑے دھاوے ہوئے۔ یونانیوں، عربوں، کوہستانیوں، منگولوں، تاتاریوں، ترکوں اور افغانوں کے پے در پے حملوں نے ملک کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ یہ ملک پھر کبھی زندہ ہوسکا۔ مگر ملت ایران کی دانشمندی اور جذبہ جاں نثاری نے اس پیکر مردہ میں تازہ روح پھونک دی۔[1] لیکن جب ہم قاچاری دور پر نظر کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس بار تحریک آزادی کے لئے فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں بغاوت کا بیج بویا گیا۔ ناصر الدین شاہ کے زمانہ میں اس میں انکھوے پھوٹے اور محمد علی شاہ کے زمانہ میں وہ ایک ایسا تناور درخت ہو گیا جس کی شاخیں ہر طرف

---

[1] کارنامہ پہلوی۔ سید محسن بلگرامی۔ ص ۲۵

پھیل گئی تھیں۔[۵۱]

محسن بلگرامی نے اس کے وجود میں آنے کا سبب قاچاریوں کے بے انتہا ظلم وستم کو قرار دیا ہے[۵۲] حقیقت بھی یہی ہے کہ قاچاری حکومت اور برسر اقتدار طبقۂ علماء کے روایتی استبداد نے ہی ایرانی عوام کو بادشاہت کے خلاف ابھارا تھا کیونکہ اس زمانہ میں ایرانی عوام کے نہ تو حقوق محفوظ تھے اور نہ ان کی جان کی ہی حفاظت ہو رہی۔ انہیں آسائش کے بجائے تکلیفوں کا سامنا تھا۔ ان کی مالی حالت سرے سے تباہ ہو چکی تھی۔ ملکی اقتدار چند نا اہل و خود غرض اشخاص کے ہاتھوں میں مرکوز ہو کر ایک کھلونا بن گیا تھا۔

ظاہر ہے ایسی حالت کا زیادہ دنوں تک برقرار رہنا محال تھا کیوں کہ جب عوام پر ظلم وستم کی انتہا ہو جائے گی تو ان کی بے چینیاں ایک دن ابھر کر ضرور رنگ دکھائیں گی۔ یہی حال ایران میں بھی ہوا۔ ایرانیوں پر توڑے جانے والے مصائب کی جب انتہا نہ رہی تو انہیں مجبوراً بغاوت کرنا ہی پڑی۔

ورنہ ایرانی طبیعتاً بادشاہ کے بڑے مطیع اور وفادار ہوتے ہیں بلکہ انہیں شاہ پرست کہنا ہی مناسب ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر قاچاری بادشاہوں نے ان سے نرمی، انصاف اور دور اندیشی سے کام لیا ہوتا تو وہ کبھی بھی دستوری حکومت کا مطالبہ نہ کرتے۔ ایران میں اگر شاہ اسمٰعیل، شاہ عباس یا کریم خاں زند جیسے بادشاہ ہوتے تو ایرانی کبھی شور و ہنگامہ نہ کرتے۔ انہیں جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہر جگہ ان کا وطن نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے حقوق دو دو پیسے پر فروخت ہو رہے ہیں اور ان کا مذہب، ان کی خود مختاری بہ حیثیت قوم معرضِ خطر ... میں ہے تب انتظام ملک میں حصہ لینے کے لئے انہیں بھی متحد ہو جانا

---

۵۱ کارنامہ پہلوی سید محسن بلگرامی ص۱ (اقتباس از تہذیب)

۵۲ " " " " ص۵۶

پڑا۔ ؎۱

شروع میں قاچاریوں سے ایرانیوں کی نفرت کا جذبہ انفرادی حدوں تک محدود رہا۔ اس لئے اس قاچاری نظام پر کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہو سکا لیکن جب اس نفرت نے اجتماعیت اختیار کی تو اس میں ایک تحریک کا رنگ روپ آگیا جس نے اپنی ابتدا ہی سے قاچاریوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا۔

افرادِ حکومت اسی خوف کے پیشِ نظر ایرانی عوام کے اتحاد کو اپنی بادشاہت کے خلاف ایک منظم سازش کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اس لئے انھوں نے ان کے خلاف اور زیادہ سخت اقدامات کرنا شروع کئے اور ان اقدامات نے عوام کے جذبات کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا۔ ایرانی حکومت نے جب برطانیہ کو تمباکو کے لئے غیر معمولی مراعات دینے کا اعلان کیا تو ایران میں ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تو ایک بہانہ تھا ورنہ وہ تو کسی بھی ایسی چیز کے خلاف مشتعل ہو سکتے تھے جو شاہی اشارے پر ہوئی ہو۔ اگر تمباکو سے متعلق واقعہ نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی ایرانی، بغاوت اور حکومت کی مخالفت کا اظہار کسی نہ کسی شکل میں ضرور کرتے۔ وہ تو کسی ایسے ہی موقع کی جستجو میں تھے جو حکومت کے خلاف عوام کو متحد کر سکے۔ اس طرح وہ موقع ان کے ہاتھ آگیا۔ اب انہیں ایک ایسے رہبر کی تلاش تھی جو ان کی تحریک کو منظم کر کے آگے بڑھائے۔ اتفاق سے جمال الدین افغانی کے سے مردِ مجاہد کو ایران آئے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے انھوں نے اس تحریک کی قیادت سنبھال لی اور ان کے استغاثہ پر علمائے وقت نے لبیک کہا۔ افغانی نے ملاؤں کی مدد سے اس تحریک کو نیا رنگ دیا۔ تحریک کو مذہبی پشت پناہی کے سبب معاملے نے کافی طول پکڑ لیا۔ شاہ اور افغانی کی کشمکش نے شدت اختیار کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی کو عبد العظیم کے مقبرے میں سات ماہ تک پناہ گیر رہنا پڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ افغانی نے

؎۱ فغانِ ایران۔ از آلِ اعظم بلگرامی۔ ص ۳۷

شاہ کی معزولی کا مطالبہ کر دیا اور افغانی کے گرد شیخ علی قزوینی (قاضی عدلیہ) اور مرزا آغا خان بھی مجتمع ہو گئے۔

جمال الدین افغانی کی یہ براہ راست جدوجہد ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۰ء کے دوران بہت زوروں پر رہی۔ [۱] لیکن ۱۸۹۰ء میں بادشاہ کی اجازت سے افغانی کو غیر شریفانہ طور پر ایران بدر کر دیا گیا۔ اس سے ایرانی عوام اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور ایرانی عوام اور حکومت سے باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔

براؤن نے کہا ہے کہ ۱۸۹۱ء میں تمباکو سے متعلق ہونے والی کامیاب بغاوت کا ایرانی تاریخ میں بڑا مقام ہے۔ حقیقتاً اسے ہی ایرانی انقلاب کا نقطۂ آغاز سمجھنا چاہیے۔ [۵۲] براؤن نے ۵ اگست ۱۹۰۶ء سے ۲۳ جون ۱۹۰۸ء تک کے زمانہ کو "تحریک مشروطہ" کے دور اوّل سے تعبیر کیا ہے۔ اسی زمانہ میں پہلی بار ۱۲ جنوری کو ملّت ایران زندہ باد کا نعرہ سننے میں آیا تھا۔ دوسرا دور ۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۱ء تک کے زمانہ کو قرار دیا ہے۔ اس دور کا خاتمہ روسی الٹی میٹموں (۲ نومبر اور ۲۹ نومبر) کے ذریعہ ہوا تھا اور مسٹر مارگن شوسٹر امریکی کو ایران سے چلا جانا پڑا تھا۔ اسی زمانہ میں روسیوں نے شمالی ایران پر حملہ کیا تھا اور دسمبر ۱۹۱۱ء اور جنوری ۱۹۱۲ء کے درمیان دہشت و تبریز میں تباہی مچا دی تھی۔ [۵۳]

ایرانی عوام کی اگرچہ اس تحریک کو مدد "؟" اسے حاصل تھی پھر بھی کچھ لوگ اس لئے اس کی مخالفت کر رہے تھے کہ شاہی نظام سے ان کے مفاد وابستہ تھے۔ اس لئے اس تحریک کی مخالفت اور موافقت میں دو گروہ بن گئے تھے جنہیں "مشروطہ خواہ" اور "مستبد" کے نام سے یاد کیا

---

[۵۱] کرونولاجی آف دی پرشین ریوولیوشن۔ ای۔ جی۔ براؤن صفحہ ۳۱۱

[۵۲] کرونولاجی آف دی پرشین ریوولیوشن۔ براؤن۔ صفحہ ۳۱۲

[۵۳] ″ ″ ″ ″ ″ ″ صفحہ ۳۱۱-۳۱۲

جاتا ہے۔

تحریک مشروطہ کو اس وقت ایرانی عوام کے تینوں طبقوں، طبقہ اعلیٰ واشراف (UPPER CLASS) طبقہ متوسط (MIDDLE CLASS) اور طبقہ ادنیٰ (LOWER CLASS)۔ طبقہ اعلیٰ میں بادشاہ، وزراء، امراء، بلند عہدوں پر فائز افراد، دولت مند لوگ اور حکومت کے مقربین، طبقہ متوسط میں عام طور سے انٹلکچوئلس جن کی تعداد کم تھی لیکن ذہنی اعتبار سے سیاسی وسماجی شعور اسی طبقہ کے لوگوں میں بلند تھا اور ملکی سیاست میں زیادہ دلچسپی انہیں میں تھی۔ عام طور سے اس طبقہ کے لوگ مشروطہ خواہوں میں شمار ہوتے تھے۔ نچلے طبقہ یعنی عوام میں بیشتر روایت پرست، جاہل اور ناخواندہ اور غریبوں کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی تعداد دونوں طبقوں سے زیادہ تھی۔ ان میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور حکومت مشروطہ کی برکتوں سے عام طور پر ناواقف تھے۔ یہ روایت پرست ہونے کی وجہ سے بادشاہ کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے اس لئے بادشاہت کے خاتمہ کے حامی نہیں تھے اور اس تحریک کے اس لئے مخالف تھے کہ یہ بادشاہت کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کی سختیوں، پابندیوں اور ظلم وجور سے خوفزدہ ہوکر بادشاہت ہی کو اپنے لئے افادی سمجھ رہے ہوں۔ اور طبقہ اعلیٰ اور افراد حکومت کے طرز استبداد نے ان کی زبانوں پر پہرے بٹھا دیئے ہوں۔ طبقہ اعلیٰ کو تو اس تحریک کا زبردست مخالف ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ بادشاہت کے خاتمہ سے سب سے زیادہ نقصانات کا خطرہ اسی کو تھا۔

دراصل ایرانیوں کی اکثریت رجعت پسند اور اقلیت انقلابی رجحانات اور تجدد کی حامی تھی۔ کچھ بزرگ علماء نے بھی تحریک مشروطہ کی حمایت کی تھی۔ انگریزوں کی سیاست بھی پوشیدہ طور پر تحریک مشروطہ کی حمایت کر رہی تھی۔ بادشاہ وقت مظفرالدین ڈپلومیسی میں صفر اور آداب حکومت سے ناواقف تھا۔ ان تمام چیزوں نے مجتمع ہوکر مشروطہ کی راہ کھول دی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تجدد، رجعت پسندی پر غالب آگیا[۱] اور سنہ ۱۹۰۶ء میں بنیادی قانون ایران میں نافذ ہوگیا۔[۲]

مشروطہ خواہوں کی اس کامیابی نے مستبدوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ جب رجعت پسندوں کو یہ احساس ہوگیا کہ اب اس سیل رواں اور نئی طاقت کا مقابلہ کرنا دشوار ہے اور اب اس تحریک کو کچلنا ناممکن ہے تو وہ بھی آہستہ آہستہ منافقانہ انداز میں مشروطہ کے حامی بن گئے۔ اس کے برخلاف انقلابیوں کے ذہنوں میں اپنی کامیابی کی تصویر جب زیادہ واضح ہوگئی تو انھوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ نئی حکومت کس طرز کی ہو جو برسوں کے ستائے اور کچلے ہوئے ایرانیوں کو امن و سکون دے سکے۔ اس فکر نے ان کے ذہن میں دستوری حکومت کا ایسا خیال پیدا کر دیا کہ "اب دستوری حکومت کے سوا کوئی چیز ان کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی"۔[۳] اس میں انہیں کامیابی ہوئی اور مظفر الدین شاہ کے عہد میں ۵ر اگست سنہ ۱۹۰۶ء کو ایک دستوری حکومت کی بنیاد پڑ گئی[۴] اور مظفر الدین شاہ نے مشروطہ کے فرمان پر دستخط کر دیئے[۵] اور ۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کو پہلی قومی مجلس کا افتتاح ہوا۔[۶]

مشروطیت کو اپنے آغاز سے ہی مخالفت کا سامنا تھا۔ اس لئے اس کے طفیل جب قومی مجلس وجود میں آئی تو اسے بھی انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مجلس کے ممبران ابھی رفاہ ملک و قوم کی

۱۔ تاریخ انقراض قاچاریہ۔ مرزا محمد تقی بہار۔ ص ۳
۲۔ پولیٹیکل پوئٹری آف ماڈرن پرشیا۔ براؤن۔ ص ۱۳۱
۳۔ کارنامہ پہلوی۔ سید محمد حسن بلگرامی۔ ص ۵۹
۴۔ فغان ایران۔ اُم الاعظم بلگرامی۔ ص ۲ (از تمہید)
۵۔ شرح احوال و آثار ملک الشعراء بہار۔ خواجہ عبدالحمید عرفانی۔ ص ۲۵-۲۶
۶۔ پولیٹیکل پوئٹری آف ماڈرن پرشیا۔ براؤن۔ ص ۱۳۱

تدبیریں کیا کرتے انھیں تو ابھی اپنے وجود ہی کی فکر تھی اور نومولود مجلس کے خاتمہ کا ڈر لگا ہوا تھا۔ محمد علی شاہ قاچار جوڑ توڑ میں لگا ہوا تھا اور مجلس کے معطل کرنے کے لئے طرح طرح کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔

ابھی دو سال بھی نہ گذرے ہوں گے کہ کرنل لیاخوف اور اس کے ساتھیوں نے اپنی توپوں سے اس جگہ کو ہی اڑا دیا جہاں مجلس منعقد ہوتی تھی۔ تقریباً ایک سال تک یہی تعطل و بدنظمی کا دور دورہ رہا۔ اس کے بعد مجلس کی تشکیل کے لئے کوئی خاص مخالفت تو نہیں ہوئی تاہم بہت سے وہ ضروری قوانین جنھیں بن جانا چاہئے تھا، نہ بن سکے۔ کیونکہ ممبروں کو ابھی اس کی امید ہی نہیں تھی کہ وہ جو کچھ پاس کریں گے حکومت اس کی تعمیل بھی کروائے گی۔ [۱]

سعید نفیسی نے تحریر کیا ہے کہ دورِ پہلوی کے آغاز یعنی ۱۹۲۱ء تک ایران کی قومی مجلس کے کل تین دور ہوئے تھے [۲] اور پہلی مجلس کو درجہ بند کر دیا گیا تھا جس کی رو سے ایرانی سماج کے تینوں طبقوں کو اپنے نمائندے علاحدہ علاحدہ منتخب کرنا تھے۔ اس پابندی کے سبب ہر طبقے کے جو سب سے سرکش افراد تھے وہی منتخب ہو کر مجلس میں آسکے۔ لطف یہ ہے کہ شاہزادوں اور اشراف وغیرہ کو بھی ایک طبقہ سے منسلک کر دیا گیا۔ دوسری مجلس کے لئے بلاواسطہ عام انتخاب کا طریقہ اپنایا گیا۔ لیکن اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا۔ سرمایہ دار اور سرکش افراد نے اپنے زیر اثر بہت سے افراد کو منتخب کروا کے مجلس میں بھیج دیا۔ اس طرح ایران کی اس قومی مجلس کی شورائی ملّی کہلانے کی خصوصیت ختم ہو گئی اور سرکشوں اور سرمایہ داروں کی اکثریت ہونے کی وجہ سے ایک مخصوص طبقہ کی نمائندہ ہو کر رہ گئی [۳] برطانیہ اور روس نے اسے نالائق و ناواقف لوگوں کا مجمع قرار دیا ہے [۴] جب کہ

---

[۱] پیشتر فتہائے ایران در عصر پہلوی۔ نفیسی۔ ص۵۸ اور فغان ایران۔ ام الاعظم بلگرامی۔ ص۲۹۳
[۲] پیشتر فتہائے ایران در عصر پہلوی ص۵۸ [۳] پیشتر فتہائے ایران نفیسی۔ ص۵۹-۶۰
[۴] فغان ایران۔ ام الاعظم بلگرامی۔ ص۲۹۲

مسٹر ام الاعظم بگرامی نے کہا ہے کہ ان کا یہ خیال اپنے اغراض کے لحاظ سے تو حق بجانب ہو سکتا ہے ۵۱ ویسے اراکین مجلس بالکل دوسرے قسم کے لوگ تھے ۔ اگرچہ ان میں کچھ طبقہ امرا، اور دولت مند زمین داروں کا بھی شامل تھا لیکن عام طور سے اس کے ممبران طبقہ متوسطین سے آئے تھے جن میں اکثر قانون داں اور ڈاکٹر تھے اور بعض منشی، بعض دفتروں کی چھوٹی ملازمتوں پر رہ چکے تھے، بعض مجتہد اور ملا تھے۔ خیر کچھ ہو وہ یہ سمجھتے تھے کہ عوام نے انہیں منتخب کیا ہے اس لئے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ہم وطنوں کے حقوق کی حفاظت کریں۔ ان میں سے اکثر کا تو یہ خیال تھا کہ وہ چونکہ ایرانیوں کے قائمقام ہیں اس لئے دستوری حکومت کے لئے جدوجہد کرنا ان کا فرض عین ہے ۵۲ اخبارات کے یورپین نامہ نگار ایرانی مجلس (IRANIAN PARLIAMENT) کا خواہ جیسا مضحکہ اڑائیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایران کی مجلس شوریٰ بہت معزز، مستقل اور قابل قدر جماعت تھی اس نے ایران کو بچانے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ۵۳ اور دستوری حکومت کے مستقل قیام کے لئے پوری طرح جدوجہد کرتی رہی۔ آخر کار ۱۶ جولائی ۱۹۰۹ء کو دستوری حکومت کا دوبارہ قیام عمل میں آگیا۔ ایران کی یہ خوش قسمتی ہی تھی کہ ایرانیوں کی غیر معمولی دلیری، حب الوطنی اور ہوشیاری کام آگئی" ورنہ روس و برطانیہ تو (س) کا خاتمہ ہی کر چکے ہوتے۔" ۵۴

ایران میں باہری ملکوں کی ریشہ دوانیوں کے علاوہ خود ملک کی اندرونی حالت بہتر نہیں تھی۔ ملک فروشی کا بازار گرم تھا۔ وزرائے حکومت نفسانی اغراض کا شکار تھے۔ ادھر ملک

---

۵۱ فغان ایران۔ ام الاعظم بگرامی ص ۲۹۲

۵۲ " " " " ص ۲۹۳

۵۳ " " " " ص ۳۷-۳۸

۵۴ " " " " ص ۴۶ (از تمہید)

دم توڑ رہا تھا ادھر نائب السلطنۃ یورپ میں داد عیش دے رہا تھا اور روس کی مہمانی کے مزے اڑا رہا تھا۔ پورا ملک سیاسی چالوں کی شکارگاہ بنا ہوا تھا[۵۱] آرام وسکون کی زندگی مفقود تھی۔ روس اور برطانیہ کی دخل اندازیوں نے نظام حکومت کو متنزلزل اور سماجی حالات کو منتشر کر رکھا تھا۔ اگرچہ بختیاری اور گیلانی فاتحین نے ۱۹۰۹ء میں تہران پر قابض ہونے کے بعد محمد علی شاہ کو معزول کرکے اس کے خورد سال بیٹے سلطان احمد میرزا کو تخت نشین کردیا تھا اور عضد الملک کو اس کی نیابت کرنے کے لئے مقرر کردیا تھا[۵۲] پھر بھی حکومت سے عوام کی بدظنی بدستور تھی اور علما زنگ کو حالات سے گھبرا کر قم کی طرف ہجرت کرنا پڑی تھی[۵۳] وزرا دحکام یورپ کے ہاتھ میں کٹھ پتلیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ ایران کی خودمختاری برائے نام رہ گئی تھی۔ ایرانیوں میں سرکار کو نقصان پہنچا کر روپیہ حاصل کرنے کی خواہش بڑھی ہوئی تھی[۵۴]

مسز اُم الاعظم بلگرامی نے امریکی مشیر امور مالیہ مسٹر مارگن شوسٹر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ ایران میں جتنے عرصہ ان کا قیام رہا اکثر وزرائے کابینہ اور حکومت کے دوسرے اعلیٰ عہدے داروں سے ان کا سابقہ پڑا۔ لیکن بہ استثنائے چند سب کو ہی نااہل پایا۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں سے اکثر تعلیم یافتہ اور لائق لوگ تھے مگر ان سے جو کام متعلق تھا وہ اس کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ اپنے ملک کی خدمت کس طرح

---

[۵۱] فغان ایران۔ مسز اُم الاعظم بلگرامی۔ ص۲۹ (از تمہید)

[۵۲] تاریخ القراض قاچاریہ۔ ملک الشعراء بہار۔ ص۵

[۵۳] " " " " ص۶

[۵۴] فغان ایران۔ مسز بلگرامی۔ ص۲۹۲،۷۵

کی جائے۔ ؎۱

مہدی ملک زادہ نے اس بارے میں زیادہ تفصیلی اظہار خیال کیا ہے۔ وہ دستوری حکومت کے قیام کے بعد ایران کی عام حالت کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ایرانی عوام کو دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے ذہنی و مادّی برتری بہت کم حاصل ہوسکی ہے اور اب تک عوامی حکومت کے فیضان سے ایران بہرہ مند نہیں ہوسکا ہے۔ ؎۲ حیرت خیز بات یہ ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں جب کہ دنیا کے بیشتر ممالک تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے تعلیم و ترقی، صنعت و حرفت اور آزادی و خوش حالی کی انتہائی منزلوں تک پہنچ رہے ہیں، ایرانی اس سمت کوئی ادنیٰ قدم تک نہیں اٹھا سکے ہیں۔ ؎۳

مہدی ملک زادہ نے دستوری حکومت کے دوران پائی جانے والی کوتاہیوں اور خامیوں کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ان کے وجوہ کو تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور مرض کی اصل جڑ تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ دستوری حکومت سے قبل قاچاریوں کی بد انتظامی، بد سلیقگی، خود غرضی اور استبدادیت کی وجہ سے قومی خزانہ خالی ہوچکا تھا۔ تمام ملکی..... مشینری ہی فضول خرچی کی عادتوں کی شکار ہوگئی تھی۔ اس لئے نئی حکومت کے پاس نئی اسکیموں کو چلانے اور بہتر انتظام کرنے کے لئے روپیہ کی بہت کمی تھی۔ ایماندار لوگ بھی کم تھے۔ اچھے اور بھلے آدمی کی تلاش مشکل ہوگئی تھی۔ مشروطہ خواہوں کی فتح سے قبل جو لوگ بادشاہِ قاچار کے طرفدار تھے۔ اور جن لوگوں کا استبدادیوں میں شمار ہوتا تھا وہ بھی فتح ملی کی خبر سن کر مشروطیت کے حامی بن کر اس میں پیش پیش ہوگئے تھے۔ چونکہ یہ لوگ اس میں دل سے شریک نہیں ہوئے تھے اس لئے مخبری کا کام کرتے رہتے تھے۔ انہیں نئی حکومت کی ترقیوں اور کامیابیوں سے کوئی

؎۱ فغان ایران۔ مسنر بلگرامی۔ ص ۲۹

؎۲ مشروطیت ایران۔ ڈاکٹر مہدی ملکزادہ۔ ص ۳۴۷، (جلد اوّل)

؎۳ مشروطیت ایران۔ ڈاکٹر مہدی ملک زادہ۔ ص ۱۴۲ (جلد اوّل)

خاص دلچسپی نہیں تھی بس اپنے حلوے مانڈے کی فکر لگی ہوئی تھی اور صرف ذاتی مفاد ہی عزیز تھا۔ دراصل یہ لوگ منافقین کا کام انجام دے رہے تھے جن کی وجہ سے بہت دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے علاوہ روس و برطانیہ کی حد سے بڑھی ہوئی سیاسی مداخلتوں نے بھی ایران کو دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش ترقی نہیں کرنے دی۔ ۵۱ اور ایران کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ نئی حکومت کا بیشتر وقت ان دونوں مصیبتوں سے نپٹنے میں گزر رہا تھا اس لئے اسے دوسری طرف توجہ دینے کا موقع ہی نہ ملا حقیقت یہ ہے کہ ایران تقریباً دو قرنوں سے انہیں دو بین الاقوامی طاقتور سیاسی کھلاڑیوں کے درمیان میدان سیاست میں ایک گیند کی طرح ناچ رہا تھا۔ وضاحت کے لئے ملک زادہ کی درج ذیل عبارت پیش کی جا رہی۔

"ایران در مدتِ دو قرن چوں گوئی در میدان سیاست ہدفِ ضربۂ چوگانِ آن دو پہلوانِ زورمند بود ہرگاہ میخواست توازن و بے طرفی را پیش بگیرد ہر دو از او ناراض میشدند و ہر دو توقعاتیکہ انجام آن از قدرت یک ملّتِ ناتوان وفقیر و پریشان خارج بود میکردند وچوں بناچار بیک طرف رو میکرد طرف دیگر او را موردِ حملات و ہجوم قرار میداد" ۵۲

مذکورہ توضیحات سے جہاں ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دستوری حکومت بہت سی باتوں میں ناقص تھی وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ لوگ اپنے حقوق و اختیارات کو اچھی طرح سمجھنے لگے تھے اور انھوں نے تمام دشواریوں مشکلوں اور پریشانیوں کے باوجود اپنے ملک کو تباہی و بربادی سے نجات دلانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

---

۵۱ مشروطیت ایران۔ دکتر مہدی ملک زادہ ص ۳۹ تا ص ۴۵ پر پیش کئے گئے خیالات کے مطابق)

۵۲ مشروطیت ایران۔ ملک زادہ (جلد اوّل) ص ۴۲

خارجی محرکات ڈاکٹر مہدی ملک زادہ نے مشروطیت کے محرکات میں ظہور مشروطیت سے تقریباً ایک صدی قبل ایران میں ظاہر ہونے والے واقعات وحادثات کا شمار کرنے کے بعد دنیا میں پیدا ہونیوالے اہم تغیرات وحوادث کا بھی شمار کیا ہے کیوں کہ ان واقعات وحادثات نے بلاشبہ دنیا کی بیشتر آزادی وحریت خواہی کی تحریکوں کو براہ راست متاثر کیا تھا چنانچہ ایران میں چلنے والی تحریک مشروطہ کے اہم محرکات میں وہ ان حادثات وواقعات کو بے حد اہمیت دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔

"از یک قرن پیش از ظہور مشروطیت وقائع وحوادثی در ایران و جہان بوقوع پیوست کہ ہر یک کمک مہمی در پیدائش مشروطیت وانقلاب آزادی ایران نمود ونیز مردان بزرگی از خطبا ونویسندگان وآزاد مردان ظہور کردند کہ تخم آزادی وعدالت خواہی را در قلوب مردم کاشتند و زمینۂ انقلاب مشروطیت را فراہم کردند بعضی ازاین آزاد مردان کشتۂ خود را درو نکردہ وپیش از طلوع مشروطیت دار فانی را وداع گفتند و عدہ ای در نہضت مشروطیت شریک وسہیم بودند از کشتۂ خود برخوردار شدند"۔ [۱]

بیرون ایران ظہور میں آنے والی ان تحریکوں اور انقلابوں میں انقلاب فرانس اور انقلاب روس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ ان کے ظہور میں آنے سے ایران کے آزادی خواہوں کے دلوں میں بھی انقلاب کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور ان کی کامیابی سے انہیں اپنی کامیابی کی بھی امید ہو گئی تھی جس نے ان کے دلوں میں تحریک انقلاب آزادی کی خواہش کو ایک دم تیز کر دیا تھا۔

---

[۱] مشروطیت ایران۔ ج۔ اول ص ۱۰۵

جہاں تک انقلاب فرانس کا تعلق ہے اس کا شمار دنیا کی اہم ترین سیاسی وسماجی تبدیلیوں میں ہوتا ہے جس نے مہدی ملک زادہ کے بقول تمام دنیا کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے بیداد گروں کے خلاف متحد ہونے کی تحریک پیدا کر دی تھی۔ ذیل میں مندرج عبارت سے اس کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

"انقلاب کبیر فرانسہ را کہ بہترین حوادثِ سیاسی واجتماعی جہان باید دانست و در بیداری ملل از خوابِ غفلت و ویران کردنِ کاخ بیداد گران و نجاتِ انوام از بندگی واستبداد و بدست آوردن آزادی وحقوق حقہ بشریت بالاترین مقام را در تاریخ دنیا حائز است"۔ [۱]

انقلاب فرانس نے درحقیقت تمام دنیا کو متاثر کیا تھا کیوں کہ وہ فرانس کے آسمان آزادی پر روشن ستارہ کی مانند نمایاں ہوا تھا اور آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا تھا جس نے اپنی گرمی وحرارت اور نور سے تمام دنیا کو روشنی بخشی تھی اور دنیا کے تمام قریب و دور آباد ممالک نے اپنی ذاتی استعداد کے مطابق کم و بیش اس سے استفیض کیا تھا۔ [۲] مگر ایشیائی ممالک فرانس سے دوری، اپنے عوام کی جہالت و کم علمی اور استبدادی نظام کے دباؤ کی وجہ سے اس انقلاب عظیم سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکے تھے۔ پھر بھی ان دور آباد علاقوں کے عوام کے دلوں میں اس سے کچھ نہ کچھ گرمی، حرارت، جوش، امنگ اور ولولہ و توانائی ضرور پیدا ہوئی تھی۔ وہاں کے مختصر گروہ نے نئے حالات سے کسی قدر آگاہی ضرور حاصل کر لی تھی۔ اس طرح ایران نے بھی اس سے فیض اٹھایا تھا اور انقلاب فرانس کے چند خاص مبلغ ومعین افراد کی نئی فکر و روشنی کے زیر اثر ایرانی بھی جدیدیت سے آگاہ ہوئے

---

[۱] مشروطیت ایران۔ ص ۱۰۹

[۲] ایضاً ۱۱۱

تھے اور ان کے خیالات سے متعارف ہونے کے بعد وہاں کے عوام وخواص کے دلوں میں بھی یورپ جاکر وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے اور وہاں کے عوام سے تعلقات قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔

ایرانیوں نے جب اپنی تنگ گلیوں اور گندے مکانوں سے نکل کر یورپ کی کشادہ و صاف سڑکوں پر اور فلک بوس عمارتوں کو دیکھا، تھیٹروں اور کارخانوں پر نظر کی تو حیران وششدر رہ گئے۔ لہ انھوں نے ان چیزوں کا خواب وخیال میں بھی کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ اس لئے ان کے دلوں میں بھی نئے زمانے کی برکتوں سے اپنی مادر وطن کو آراستہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر جب وہ استبدادی نظام حکومت کی تباہیوں پر نظر کرتے تو اپنے کو مجبور و ناتواں محسوس کرتے تھے۔ ایران کو ترقی یافتہ دنیا کے ہمدوش کرنے کے لئے ضروری تھا کہ بادشاہانِ قاچار کے سلسلہ کو ختم کرکے ایک دستوری حکومت کو لایا جائے تاکہ ایرانی عوام کو بھی آزادی تحریر و تقریر، مساوی حقوق اور امن وسکون حاصل ہوسکے جس کے بغیر مادی ترقی کرنا دشوار رہے۔

یورپی ممالک کی ترقیوں نے ایرانیوں کو [illegible] کو اتنا زیادہ متاثر کردیا تھا کہ استبدادی نظام کا سرغنہ اور آقا محمد کے خاندان کا بیدادگر بادشاہ ناصرالدین شاہ بھی جب یورپ گیا تو وہاں سے اتنا متاثر ہوا کہ واپسی پر ایران کو انھیں خطوط پر ترقی دینے کی کوششوں میں مشغول ہوگیا لیکن ظلم وخودسری کی طرف اس کے فطری میلان، ظلم وستم کی خاندانی وراثتوں اور روحانی پیشواؤں اور شاہزادوں کے ملکی امور ریاست پر حد سے متجاوز اثر ورسوخ نے ناصرالدین شاہ کو اپنی پچاس سالہ حکومت کے دوران بھی کارہائے نمایاں انجام دینے کا

لہ مشروطیت ایران - ص۱۱۴

موقع فراہم نہیں کیا۔ [51]

اس کے علاوہ روس میں مشروطیت سے تقریباً ایک صدی قبل شروع ہونے والے انقلابی رجحان نے بھی ایران کو زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے متاثر کیا تھا۔ زارِ روس کے خلاف واقع ہونے والے اس انقلاب سے ایران کو بے حد مسرت ہوئی کیوں کہ اس سے قبل روس کی جارحانہ سرگرمیاں اور مسلسل ایرانی سیاست میں دخل اندازیوں سے ایرانی بہی خواہوں کے دل پک چکے تھے اور انقلاب سے اس کے زوال کے امید افزا آثار نظر آئے تھے۔ اس لئے وہاں کے حالات پر وہ غور سے نگاہ کر رہے تھے اور ہر ردِّ عمل کا دلچسپی سے مطالعہ کر رہے تھے اور تحریک آزادی کی کامیابی کے لئے دل سے خواہاں تھے۔ [52] انہیں امید تھی کہ اگر روس میں استبدادی نظام حکومت کے بجائے باانصاف عوامی حکومت قائم ہو گئی تو وہ ایرانیوں کی تحریک آزادی کی ضرور حمایت کرے گی۔ اس تحریک کی کامیابی کے ساتھ ایران کی تحریک آزادی میں شدت آتی گئی اور انکی ہمتیں بلند ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ جمال الدین افغانی اور مرزا ملکم خاں جیسے صاحبِ حُریّت و آزادی جو حضرات نے میدان سیاست میں قدم جما کر قاچاری نظام حکومت کو متزلزل کر دیا۔

مشروطیت کے اثرات ایران کی تاریخ میں انقلاب مشروطیت کو خاص مقام و اہمیت حاصل ہے کیوں کہ وہاں پیش آنے والے تمام سیاسی وسماجی وعلمی تغیرات میں یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے منفرد تھا۔ دراصل اس تحریک نے تمام پرانی زنجیروں کی کڑیوں کو درہم برہم کر دیا تھا اور ایران میں لامتنا ہی زمانہ سے قائم استبدادی نظام

---

[51] مشروطیت ایران۔ ڈاکٹر مہدی ملک زادہ۔ ص ۱۱۴

[52] ایضاً۔ ص ۱۱۶